جنیٹک سائنس

تلخیص

محمد اسعد ندوی

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : جنیٹک سائنس

ملخص : محمد اسعد ندوی

صفحات : ۴۱

سن طباعت : ۲۰۱۵

قیمت :

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱— ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی — ۱۱۰۰۲۵

فون 26981327 -011:

ای میل ifapublication@gmail.com:

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

موضوع کا تعارف ۷

ڈی این اے ٹسٹ سے متعلق سوالات

جنیٹک ٹسٹ

اسٹیم خلیے

ڈی این اے جنیٹک ٹسٹ اور اسٹیم سیل کی فنی تعریف

اسٹیم سیل

اسلام میں نسب کی اہمیت

ثبوت نسب کی معتبر بنیاد

ثبوت فراش کے ذرائع

اختلاف کی صورت

قرعہ

نکاح سے قبل جنیٹک ٹسٹ

جینی اسٹیم سیل کے ذریعہ علاج ومعالجہ کا شرعی حکم

ا—علاج کے بارے میں شرعی ہدایات

غیر فطری طریقہ علاج کی اجازت نہیں

علاج کے لئے مریض ای اس کے اولیاء کی اجازت ضروری ہے

مقاصد، وسائل اور نتائج کا اعتبار

جنیٹک علاج کے کچھ ضابطے

تجاویز کی وضاحت

ڈی این اے ٹسٹ

جنیٹک سائنس کی تجاویز

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موضوع کا تعارف:

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس میں آباد تمام مخلوق کی پرورش و پرداخت کا ذمہ دار بھی ہے، اور یہ لمبی چوڑی دنیا جو ایک نظام کے تحت چل رہی ہے، نہ صرف یہ اس کے رب ہونے کی علامت ہے بلکہ سر کے بال سے لیکر پاؤں کے ناخن تک خود انسان کا پورا وجود اور اس کے جسم میں موجود خون کا ایک ایک قطرہ اور گوشت کا ایک ایک ٹکڑا خدا کی قدرت اور اس کی ربوبیت کی نشانی ہے، اسی لئے کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے "**من عرف نفسه عرف ربه**" (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اسنے خدا کو پہچان لیا)۔

اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں کے اندر جہاں بہت سی چیزیں مشترک طور پر رکھی ہے وہیں بہت ساری چیزیں انفرادی طور پر بھی عطا کی ہے، انسانوں کے درمیان پائے جانے والے مشترک اوصاف آپسی تعاون کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرنے کا دروازہ کھولتے ہیں، انفرادی صلاحیتوں اور خصوصیتوں سے اس کی پہچان قائم ہوتی ہے۔

انسان جن چیزوں سے پہچانا جاتا ہے ان میں تو کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا تعلق ظاہر سے ہے جیسے شکل وصورت، رنگ وروپ، چال ڈھال، ہنسے بولنے، رونے کی آواز، مزاج وغیرہ خدا تعالیٰ کی کرشمہ سازی پر قربان جائے کہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والے لڑکے لڑکیوں کی چال ڈھال، رنگ وروپ، ہنسے بولنے کی آوازوں میں اس قدر فرق پایا جاتا

ہے کہ یہ خود اپنی جگہ پر خدا کی ربوبیت کی ایک مستقل دلیل ہے، جبکہ انسان اپنی مشین کے سانچے سے کوئی چیز ڈھالتا ہے تو وہ رنگ وروپ، قد وقامت اور کام کرنے کی صلاحیت کے اعتبار سے اپنی ہی جیسی دوسری چیز سے بالکل یکساں ہوتی ہے مگر اس کے برخلاف قدرت کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک ہی ذریعہ سے مختلف خوبیوں کی مالک شء کو ظاہر وباطن کے فرق کے ساتھ وجود بخشتی ہے۔

جس طرح انسان اپنے ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح اپنی اندرونی خوبیوں کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتا ہے، یہ حقیقت سائنس کے علم التوارث جسے ''جنیٹک سائنس نی نی کہا جاتا ہے کے ذریعے سامنے آئی پھر اسی کے ذریعے جرائم کی دنیا میں مجرم کی شناخت کا طریقہ ڈی این اے فنگر پرنٹنگ (DNA-Finger Print) تک رسائی حاصل کی گئی۔

مذکورہ طریقہ تحقیق کے وجود میں آنے سے بہت سے شرعی مسائل پیدا ہوئے، جن کا شرعی حل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نے ملک وبیرون ملک کے علماء وفضلاء اور دیگر دانشوران وماہرین کی جانب سے تحریر کردہ مختصر اور تفصیلی مقالات اور سمینار میں ہونے والے مناقشوں کی روشنی میں پیش کیا ہے جو آئندہ کی سطروں میں خلاصہ کے طور پر درج کیا جارہا ہے، اکیڈمی کی تجاویز ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکیڈمی کی طرف سے بھیجے گئے سوالات درج کردیئے جائیں، پھر جنیٹک سائنس، ڈی این اے ٹسٹ اور اسٹیم سیل کی فنی حیثیت بر بحث کی جائے، اس کے بعد آیات واحادیث اور کتب فقہ کے حوالے سے صورت مسئلہ کی وضاحت کی جائے:

ڈی این اے ٹسٹ سے متعلق سوالات :

۱— اگر ایک بچہ کے سلسلہ میں کئی شخص دعویدار ہوں کہ یہ میرا لڑکا ہے، تو سائنس

دانوں کے خیال کے مطابق بچہ اوران دعویداروں کا ڈی این اے ٹسٹ کر کے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ حقیقی معنوں میں اس کے والدین کون ہیں؟ ایسے اختلاف کو حل کرنے کے لئے کیا ڈی این اے ٹسٹ کرایا جاسکتا ہے اور شرعاً کس حد تک اس کا اعتبار کیا جائے گا؟

۲— آج کل قاتل کی شناخت کے لئے بھی ڈی این اے ٹسٹ کرایا جاتا ہے، اگر جائے قتل کے پاس قاتل کی کوئی چیز مل جائے جیسے بال یا خون وغیرہ تو اس کے ٹسٹ سے قاتل کی شناخت کی جاتی ہے، لیکن یہ تکنیک ابھی اس درجہ کمال تک نہیں پہنچی ہے کہ معلوم ہو سکے کہ جو فارنسک نمونہ (Forensic Sample) جائے واردات سے اٹھایا گیا تھا، وہ اسی ملزم کا ہے۔ کیا ایسی صورت میں ڈی این اے ٹسٹ کی بنیاد پر کسی کو قاتل قرار دینا درست ہے؟

۳— (الف) ڈی این اے کے ذریعہ زانی کی بھی شناخت کی جاتی ہے، اور اگر اس عورت کے جسم کے مادہ منویہ کا نمونہ حاصل کرلیا جائے، تو زانی کی شناخت ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ بہ آسانی کی جاسکتی ہے، زنا کے ثبوت میں اس ٹسٹ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

(ب) بعض کیس اجتماعی آبروریزی کے بھی ہوتے ہیں، ایسی صورت میں ڈی این اے ٹسٹ بذات خود کمزور مانا جاتا ہے، کیونکہ اسی ٹسٹ میں ملے جلے سگنل کسی تیسرے شخص کی غلط نشاندہی بھی کرسکتے ہیں، ایسی صورت میں ٹسٹ کا کیا حکم ہوگا؟

۴— اگر کسی جرم میں ایک سے زیادہ اشخاص ملوث ہوں، الزام کی بنا پر بعض ملزمین کا ڈی این اے تسٹ کرایا لیا، لیکن بعض ملزمین ٹسٹ کرانے کو تیار نہیں ہیں تو کیا قاضی انہیں ڈی این اے ٹسٹ پر مجبور کرسکتا ہے؟

جنیٹک ٹسٹ:

۱— نکاح سے پہلے مرد وعورت کا ایک دوسرے کا جنیٹک ٹسٹ کرانا تاکہ معلوم ہوجائے کہ دوسرا فریق کسی موروثی بیماری میں تو مبتلا نہیں ہے، یا ایسا تو نہیں ہے کہ وہ قوت

تولید سے محروم ہے، درست ہے؟

۲— اگر سائنسی طور پر ثابت ہوجائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہوگا تو کیا اس کا اسقاط کرایا جاسکتا ہے؟ یہ اس لئے اہم ہے کہ جنیٹک ٹسٹ سے یہ بات تین ماہ سے پہلے معلوم ہوسکتی ہے، جبکہ الٹرا ساؤنڈ سے تین ماہ کے جنین کا جسمانی نقص معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

۳— سائنسدانوں کی رائے کے مطابق جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ اس کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے کیا امکانات ہیں، کیا اس مقصد کے لئے ٹسٹ کرانے اور سلسلہ تولید کو روک دینے کی گنجائش ہوگی؟

۴— چار ماہ سے پہلے یا اس کے بعد جنین کی خلقی کمزوریوں کو جاننے کے لئے کیا جنیٹک ٹسٹ کرانے کی گنجائش ہے؟

۵— سائنسدانوں کا خیال ہے کہ جنیٹک ٹسٹ سے یہ بات بھی جانی جاسکتی ہے کہ وہ شخص دماغی طور پر متوازن ہے یا نہیں؟ اور اگر غیر متوازن ہے تو کس حد تک؟ تو کیا جنون کے سلسلہ میں اس ٹسٹ رپورٹ پر فسخ نکاح کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

اسٹیم خلیے:

۱— جینی اسٹیم سیل (Embryonic Stem Cell) کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اپنے محدود دائرہ میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، کیا اسے ذی روح مانا جائے گا؟ اور وہ ایک زندہ وجود کی طرح قابل احترام ہوگا؟

۲— سائنسی تحقیق کے مطابق اسٹیم سیل کے ذریعہ پورا عضو بنایا جاسکتا ہے، کیا رحم مادر میں پرورش پانے والے یا اسقاط شدہ جنین سے اسٹیم سیل لیکر کوئی عضو بنایا جاسکتا ہے؟

تا کہ اسے علاج کے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

۳— انسان کا اسٹیم سیل کسی حیوان میں ڈال کر حیوانی جسم میں مطلوبہ عضو کو تیار کیا جاسکتا ہے، کیا ایسے عضو کی انسانی جسم میں پیوندکاری کی جاسکتی ہے؟ اور کیا عضو کی تیاری کے سلسلے میں حلال وحرام جانور کے درمیان کوئی فرق بھی ہوگا؟

۴— اسٹیم سیل کے حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ نافہ آنول نال بھی ہے، اگر اس نال کے خون سے سیلس لے لئے جائیں اور ان کو مستقبل کے لئے محفوظ کردیا جائے تو کسی نازک موقع پر وہ اس کے کام آسکتا ہے، عام طور پر جب یہ نال کاٹی جاتی ہے، تو اس میں موجود خون کو نومولود کے جسم میں پہنچادیا جاتا ہے، اور نال باندھ دی جاتی ہے، اگر سیلس حاصل کرنا ہو تو نال کے حصے میں جو خون ہے، اسے باہر نکال لیا جائے گا، کیا یہ صورت درست ہوگی؟ اس خون کے لے لینے کی وجہ سے کسی مرض یا خطرہ کا امکان ایک فیصد سے بھی کم ہے، لیکن بہرحال اس طرح نومولود اس خون سے محروم ہوجاتا ہے، حالانکہ نومولود کے جسم میں خون کی مقدار کم ہوتی ہے، اور اس لحاظ سے اس خون کی بھی اس کے لئے اہمیت ہے۔

۵— جینی اسٹیم سیل یوں تو بالغوں سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی نشوونما میں دشواریاں ہیں، اس پس منظر میں ٹسٹ ٹیوب کے ذریعے حمل کے استقرار اور اس کی ابتدائی نشو ونما کے جدید طریقہ کو اختیار کرنے کی صورت میں اگر میاں بیوی کی اجازت سے سیلس حاصل کرلیے جائیں، اور ان کو انسانی عضو تیار کرنے میں استعمال کیا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ — واضح ہو کہ ٹسٹ ٹیوب بے بی تکنیک میں میاں بیوی کا نطفہ تو استعمال کیا ہی جاتا ہے، لیکن کبھی اجنبی نطفہ کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

ڈی این اے جنیٹک ٹسٹ اور اسٹیم سیل کی فنی تعریف:

ڈی این اے ایک کیمیاوی شء ہے جس کا پورا نام ڈی آکسی رائبو نیوکلک ایسڈ

(تیزاب) ہے۔اس کی دریافت میشر (Misacher) نے ۱۸۶۹ء میں کی تھی اور اسے مواد میں پائے جانے والے خلیہ سے نکالا گیا تھا۔ ایوری، میکلیاڈ اور مکارٹی نے اس کے موروثی مادہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

واسٹن اور کرک نے مل کر اس کی پہلی جامع تھیوری ۱۹۵۳ء میں دی اس دریافت پر انہیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔

ڈی این اے دو دھالوں کا مرکب ہے جو ایک دوسرے سے گھاؤ دار سیڑھی کی طرح مل کر بنے ہوتے ہیں، ایک دھاگہ دوسرے دھاگہ کی ضد ہوتا ہے، ان دھاگوں میں ایک کے اوپر ایک بیس (Base) کھار ہوتا ہے، جس میں ڈی این اے کی خصوصیت ہوتی ہے، ہر کھار میں ایک شکر اور ایک فاسفیٹ جڑا ہوتا ہغ ، اور اس کو نیوکلیوٹائڈ کہا جاتا ہے۔

کھار چار طرح کے ہوتے ہیں: ایڈینین، کوانین، سائٹوسین اور تھائمین، یہی چار کھار ڈی این اے کی خصوصیت ہوتے ہیں۔

جین ڈی این اے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کھاروں کی ایک مخصوص ترتیب ہوتی ہے، تین کھاروں کی لگاتار ترتیب سے ایک مخصوص امینو ایسڈ کوڈ کی جاتی ہے۔ ہماری تمام خصوصیا جیسے رنگ، جسامت، اعضاء اور ضروری ان زائم تقریباً ایک لاکھ پروٹین سے بنتے ہیں اور اس کے لئے ۳۰ ہزار جین ہوتے ہیں۔

جین کی بناوٹ ڈی این اے کی ہوتی ہے اور ڈی این اے ہر جان دار کو ماں اور باپ سے وراثت میں تخم اور بیضہ کے ذریعے ملتی ہے۔

اس طرح ڈی این اے ایک کتاب کی طرح ہوتی ہے جس کے الفاظ جین ہوتے ہیں، اور ہمارے جسم کی بناوٹ ان ہی الفاظ کے اشارہ پر کی جاتی ہے، جیسا جین ویسا جسم۔

ہر جین کی دو کاپی ہوتی ہے: ایک اچھی اور دوسری بری اچھی کاپی بری پر حاوی ہوتی

ہے۔ یہ کاپی ہمارے خلیوں میں ۴۶ دھاگوں میں پروئی ہوتی ہیں جنہیں رنلین دھاگے (کرموزوم) کہتے ہیں۔ان میں دو دھاگے ایک جوڑا بناتے ہیں جس میں ایک ماں اور ایک باپ کا دھاگہ ہوتا ہے، اس طرح کل ملاک ۲۳ جوڑے ہوتے ہیں۔

کروموزوم میں تبدیلی ہوتی ہے اور خصوصیات بدل جاتی ہیں جسے میوٹیشن کہا جاتا ہے، ماں کے بیضہ اور باپ کے تخم میں ۲۳ الگ الگ کروموزوم ہوتے ہیں اور بچوں میں ۴۶ کرموزوم ہوتے ہیں۔

اب اگر ماں کے کروموزوم میں بہتر جین ہے اور باپ کے کروموزوم میں خراب تو بچہ میں اچھی خصوصیت ہوگی، اگر دونوں میں خراب جین ہو تو بچہ بیمار یا کمزور ہوجاتا ہے۔ دونوں پر اچھے جین کی وجہ سے بھی وہی اثر ہوتا ہے جتنا ایک اچھا اور برا جین ہونے سے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمارے جسم میں تقریباً ۵ ہزار موروثی بیماریوں کے جین ہیں جن کے اچھے جین کی وجہ سے بیماری دب جاتی ہے، ورنہ اگر ماں اور باپ کے ذریعہ ایک ہی بیماری کے دونوں خراب جین بچہ کو مل جائیں تو بچہ بیمار ہوجاتا ہے۔ یہ بیماری موت، اپاہج پن، کمزوری، خون، دل، جگر، گردے، پھیپھڑے، عضو تناسل اور بانجھ پن سے لیکر کمزور دماغی، پاگل پن، ہیجڑا ہونا اور غصہ سے بے قابو ہونے تک جاسکتی ہے۔

ان بیماریوں کا علاج یوں ممکن نہیں یہ کسی جراثیم یا کیڑے کے ذریعہ یا ہوا، پانی اور خوراک سے پرے ہیں۔

ان بیماریوں سے بچنے کے لئے جنیٹک ٹسٹ کیا جاتا ہے۔ یہ ٹسٹ دو طرح سے ہوتا ہے:

بچہ اگر حمل کے دوران ماں کے لئے تکلیف کا باعث بنے اور Foelt کے چند خلیے اگر ماں کے رحم سے کھینچ کر نکال لئے جائیں اور ان خلیوں کو خوردبین میں دیکھا جائے۔

عموماً ۴۷ کرموزوم ہوجانے سے دماغی بیماری ڈاؤن سینڈروم پیدا ہوجاتی ہے، ۴۵ کرموزوم کی وجہ سے بچی کوٹرنر سینڈروم ہوجاتی ہے اور پیدا ہونے پر بانجھ ہوتی ہے۔

۴۷ کرموزوم کی وجہ سے کلاٹیفلٹر سینڈروم بھی پیدا ہوتا ہے۔

کچھ کرموزوم کے ۴۶ دھاگے ہوتے ہیں، لیکن دھاگے ٹوٹے ہوتے ہیں جن سے کینسر اور خون کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

کروموزوم ۴۶ ہیں اور نر اور مادہ کی پہچان کرلی جاتی ہے، نر میں x اور y کروموزوم ہوتے ہیں، مادہ میں xx ہوتا ہے، اس طرح کچھ ڈاکٹر ماں کے رحم میں پلنے والی لڑکی (xx) کا اسقاط کرا کر بچی کو پیدا ہونے سے روک دیتے ہیں۔ یہ قانوناً جرم ہے۔

کروموزوم ٹھیک ہو مگر جین غلط ہو، اس کا ٹسٹ ڈی این اے کے ذریعے کیا جاتا ہے، تھیلاسیمیا، خون کا لگاتار بہنا، (ہموفیلیا)، فینائل کیٹورن یوریا وغیرہ بیماریاں ہوجاتی ہیں، یہ ماں اور باپ کے ذریعہ بچہ میں آتی ہیں کبھی کبھی ماں اور باپ میں خرابی نہ رہنے کے باوجود X-Ray یا خوراک کی خرابی سے جین میں تبدیلی (میوٹیشن) آجاتا ہے۔

یہ بیماریاں پیدا ہونے سے قبل ڈاکٹر بچہ کے اسقاط کا مشورہ دے سکتے ہیں انہیں جنیٹک کاؤنسلنگ کہا جاتا ہے۔

کبھی کبھی عام انسان ماں اور باپ خطرہ سے باخبر ہونے کے لئے اپنا ٹیسٹ کراتے ہیں کہ ان میں بیماری چھپی ہے یا نہیں، اسے Screening کہتے ہیں، اگر ماں یا باپ یا دونوں میں سے ایک یا دونوں میں یہ چھپی ہوتی ہے تو بیماری بچوں میں جاسکتی ہے، لہٰذا وہ رحم کے دوران ہی بچہ کا ٹسٹ کراتے ہیں۔

اگر دونوں میں پہلے ہی اچھے جین ہوتے ہیں تو ان کو ڈر نہیں ہوتا۔

ڈی این اے کے ذریعے ہم ایک انسان کی ولدیت کا پتہ بھی لگا سکتے ہیں، اس کے

لئے ڈی این اے فنگر پرنٹنگ ٹیکنک استعمال کی جاتی ہے، یہ فنگر پرنٹ کسی بھی انسان کے ڈی این اے نکال کر اسے حل کرانے کے بعد اس میں موجود ٹکڑے کی دریافت سے کی جاتی ہے، ہر انسان میں الگ الگ طرح کے ٹکڑے ہوتے ہیں جو وہ ماں باپ سے پاتا ہے، اگر چار ٹکڑے ہیں تو دو ماں سے اور دو باپ سے۔ اگر ان میں کوئی ٹکڑا الگ ہے تو ولدیت غلط ہے۔

اسٹیم سیل:

اسٹیم سیل ایک ایسے خلیہ کو کہتے ہیں جو ایک پورے جان دار کو پیدا کرسکتا ہے، یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ڈی این اے اور کروموزوم اور خلیہ ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن خلیہ جن کی تعداد ۲۳۱۰ کے برابر ہوتی ہے، سارے بیضہ کی تقسیم سے بنتی ہیں، اس تقسیم کو مائٹوٹسی کہتے ہیں۔

ایک سے دو، دو سے چار اور چار سے آٹھ — سے ہزاروں بن جاتے ہیں، ان میں بیضہ سب سے طاقتور خلیہ ہوتا ہے، اس کی تقسیم سے بورا کامل جاندار بدن بنتا ہے، لیکن جب خلیہ کافی پرانے ہوجاتے ہیں تو ان میں پورے جاندار بنانے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔

اسٹیم سیل اس خلیہ کو کہتے ہیں جن میں پورے جاندار بدن کو بنانے کی صلاحیت ہوتی ہے، ان خلیوں کی تقسیم اگر کرائی جائے تو پورا کامل جاندار بنایا جاسکتا ہے۔

صورت مسئلہ کی وضاحت آیات احادیث اور فقہ کی روشنی میں۔

ڈی این اے کی بنیاد دراصل علم التوارث اور خاندانی مشابہتوں پر ہے، اور ہر بچہ اپنے باپ اور ماں سے جو کروموزوم حاصل کرتا ہے، وہ تاحیات اس کے اندر موجود ہوتے ہیں، اس لئے ڈی این اے ٹسٹ کو اب ثبوت نسب کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، کبھی متنازع مسائل میں والدین کی پہچان کے لئے بھی ڈی این اے ٹسٹ کرایا جاتا ہے۔

علماء ہند کے یہاں اسی سلسلہ میں کوئی خاص بحث نہیں آئی ہے، مگر عرب اور یورپ

وامریکہ کے علماء نے اس موضوع پر اچھا کام کیا ہے، کچھ علماء نسب کو ثابت کرنے کے معاملے میں ڈی این اے ٹسٹ کو شرعی دلیل نہیں مانتے، ان کے نزدیک نسب کا معاملہ بہت نازک ہے، اس لئے یقینی اور روایتی ثبوتوں کے علاوہ کسی اور ذریعہ کو معیار بنانا احتیاط کے خلاف ہے۔

مگر زیادہ تر علماء محققین نے نسب ثابت کرنے کے سلسلے میں اس کو معتبر ذریعہ کے طور پر قبول کیا ہے، البتہ بعض علماء نے اس کو مطلقا بلا کسی قید وشرط کے معتبر مانا ہے، جبکہ بہت سے علماء نے اس میں کچھ قیود وشرائط کا اضافہ کیا ہے، جو عموماً فقہ کی کتابوں میں ''قیافہ نی نی اور ''قرعہ نی نی کے ذیل میں ذکر کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک نسب ثابت ہونے کے معیار، اس کے اسباب ووسائل اور اس باب میں قرائن کی اہمیت وواقعیت پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے۔

اسلام میں نسب کی اہمیت:

نسب اصطلاح میں دو شخصوں کے درمیان قرابت کے اس رشتہ کو کہتے ہیں جو ولادت کی بنا پر قائم ہو، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، نسب کا عام مفہوم یہی ہے، البتہ عام طور پر نسب سے باپ کا رشتہ مراد لیا جاتا ہے، ماں کا رشتہ مراد نہیں لیا جاتا ہے۔ اس لئے شرعی اور عرفی طور پر بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے، ماں کی طرف نہیں، اس سے لعان اور زنا دو حالتوں کا استثناء ہے۔

ثبوت نسب کی معتبر بنیاد :

اسلامی شریعت میں نسب ثابت کرنے کا صرف ایک ذریعہ ہے وہ ہے عقد نکاح،

پرانے زمانے میں جب غلامی کا رواج تھا' استیلاد نی نی بھی ایک اہم ذریعہ نسب تھا، یعنی کوئی شخص کسی باندی کو خرید کر اس سے جنسی تعلق قائم کرتا تھا، اور وہ اس کی اولاد کی ماں بن جاتی تھی، لیکن اب پوری دنیا سے یہ غلامی ختم ہو چکی ہے، اس لئے اب نسب ثابت کرنے کا نکاح کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

نکاح اگر صحیح طور پر ہوا یعنی اس کے تمام حدود وارکان کی رعایت کی گئی تو عقد نکاح سے چھ ماہ کی مدت کے بعد پیدا ہونے والا بچہ بالاجماع ثابت النسب ہوگا، اور عورت کا شوہر ہی اس کے بچہ کا باپ قرار دیا جائے گا، اور اس کی بنیاد وہ مشہور روایت ہے جو حدیث کی معتبر کتابوں میں آئی ہے:

''**الولد للفراش وللعاهر الحجر**'' (صحیح بخاری مع فتح الباری: کتاب البیوع ۴/۴۱۱، ۷، صحیح مسلم: کتاب الرضاع ۲/۱۰۸۱)۔ (بچہ صاحب فراش کا ہوگا اور زانی کو پتھر ملے گا)۔

اس حدیث کے مضمون سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نسب کے معاملہ میں اصل چیز فراش ہے، فراش صحیح کے بعد ناجائز بچہ بھی صاحب فراش کا جائز بچہ تصور ہوگا، ار فراش کے ہوتے ہوئے نہ جنسی تعلق کی بات زیر بحث آئے گی اور نہ بچے کی شکل وشباہت دیکھی جائے گی، بچہ ہر حال میں صاحب فراش کا ہوگا، یعنی قرائن اگر صاف طور پر بتاتے ہوں کہ بچہ ناجائز طور پر پیدا ہوا ہے، جب بھی فراش صحیح کے مقابلہ میں ان قرائن کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ روایات ہیں جو حدیث کی معتبر کتابوں میں آئی ہیں۔

۱— بخاری ومسلم دونوں کتابوں میں ایک روایت آئی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، میری بیوی کو ایک کالا بچہ پیدا ہوا ہے، یعنی خود اس کا رنگ صاف تھا اس کو یہ کالا بیٹا کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ شبہ ہے کہ اس کی بیوی نے کسی

ناجائز تعلق کی بنا پر یہ بچہ جنم دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوال کا مطلب سمجھتے ہوے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے عرض کیا: ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! انکا رنگ کیسا ہے؟ اس نے کہا: سرخ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، کیا کوئی اونٹ خاکستری رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہوسلم نے فرمایا: یہ رنگ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا شاید اوپر کی کسی رنگ سے یہ رنگ کشید ہوا ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ امکان تمہارے بیٹے میں بھی ہوسکتا ہے (صحیح بخاری مع فتح الباری ۹/ ۴۴۲، مسلم ۲/ ۱۱۲۷، ۱۱۲۸)۔

۲— اسی طرح ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن زمعہ ایک لڑکے کے سلسلے میں متنازع مقدمہ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لڑکا میرے بھائی عقبہ کا لڑکا ہے، میرے بھائی نے مجھے بتادیا تھا کہ یہ میرا لڑکا ہے، آپ اس بچہ کی شکل ملاحظہ فرمالیں، ان کے بالمقابل عبداللہ بن زمعہ کا دعوی تھا کہ یہ میرا بھائی ہے، اس لئے کہ اس کی ماں میرے بھائی کی فراش تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غور فرمایا تو بچہ واقعۃً عتبہ کے جیسا تھا، لیکن آپ نے عبد اللہ بن زمعہ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور فرمایا: کہ بچہ فراش کا ہوگا اور زانی کو صرف پتھر ملے گا (صحیح البخاری مع الفتح ۱۲/ ۵۲)۔

ان دونوں واقعات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراش کے مقابلہ میں ظاہری رنگ وروپ کا اعتبار نہیں فرمایا اور بچہ کی نسبت فراش کی طرف فرمائی۔

شریعت اسلامیہ کا یہی وہ مزاج ہے جس کی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر نکاح کے بعد میاں بیوی کے درمیان جنس تعلق معلوم نہ ہو، بلکہ ظاریہ طور پر

ممکن بھی نہ ہوتو بھی چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب قرار پائے گا۔

دوسرے فقہاء کو اس سے اختلاف ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے شریعت کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ ہے، الرعقد نکاح فاسد طور پر انجام پذیر ہو، یعنی اس کے ضروری شرائط کی تکمیل نہ کی گئی ہو، اس صورت میں بھی بچہ ثابت النسب ہوگا، بشرطیکہ فساد نکاح علماء کے درمیان مختلف فیہ نہ ہو یا نکاح باطل طور پر انجام دیا گیا، مگر شوہر کو اس کی حرمت کا علم نہ ہو۔ اور اگر فساد نکاح متفق علیہ ہو اور حد زنا سے فروتر ہو تو بھی بچہ ثابت النسب ہوگا (مواہب الجلیل ر ۲۴۹، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴۱۲ر۳)۔

ثبوت فراش کے ذرائع:

ثبوت نسب کا حقیقی ذریعہ تو صرف فراش ہے جو نکاح سے حاصل ہو، مگر فراش کے ثبوت اور علم کے لئے فقہ اسلامی میں چند ذرائع اور قرائن کا اعتبار کیا گیا ہے، ان میں سے ایک قیافہ بھی ہے۔

قیافہ: قیافہ کا لغوی معنی آثار کی تلاش ہے، تاکہ شباہت اور رنگ وروپ کے ذریعہ سکی کے باپ یا بیٹے کا سراغ لگایا جاسکے (لسان العرب اور القاموس المحیط مادۃ: قوف)۔

اور فقہی اصطلاح میں ''قائف فی فی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنی فراست اور بچہ کے اعضاء کے جائزہ سے اس کے نسب کا پتہ چلائے (التعریفات للجرجانی ر۱۷۱)۔

ثبوت نسب کے باب میں قیافہ کا اعتبار ہے یا نہیں؟ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ فقہاء حنفیہ اس کا اعتبار نہیں کرتے جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اور مالکیہ (فی الجملہ) اس کا اعتبار کرتے ہیں (بدایۃ المجتہد ۲۲۸ر۲، المبسوط ۱۵ر۱۹، مواہب الجلیل ۲۴۷ر۵، مغنی المحتاج ۴۸۹ر۴، المغنی لابن قدامہ ۴۸۲ر۷، منتہی الإرادات ۲۲۴ر۲)۔

جمہور فقہاء نے اپنے موقف کی بنیاد بعض روایات پر رکھی ہے:

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو بہت خوش تھے۔خوشی سے آپ کا چہرہ انور دمک رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ مجزر (ایک قیافہ شناس) نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھا اور کہا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشی اس لئے ہوئی تھی کہ عہد جاہلیت میں کچھ لوگ حضرت اسامہؓ کے نسب کے بارے میں نکتہ چینی کرتے تھے، اسی لئے کہ ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا، جبکہ حضرت زیدؓ روئی کی طرح صاف تھے (صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۲/ ۵۶، مسلم ۲/ ۱۰۸۲، ابوداؤد ۲/ ۷۰۰)۔

اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیافہ شناس کے قول کو دلیل کے طور پر قبول فرمایا، حالانکہ اس مسرت کی توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ اہل جاہلیت چونکہ قیافہ کو مانتے تھے اس لئے ایک قیافہ شناس کا قول خود ان کے خلاف ہوگیا تھا، اور یہ خوشی ایک فطری بات تھی، یہ ضروری نہیں کہ اس کو شرعی دلیل کے طور پر مانا گیا ہو۔ اور غالباً اسی احتمال کی بنا پر حنفیہ نے اس روایت کو شرعی دلیل کے طور پر قبول نہیں کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ عہد جاہلیت کے ان بچوں کے بارے میں قیافہ شناسوں کو بلاتے تھے، جن کے کئی دعویدار عہد اسلامی میں سامنے آئے تھے، اور یہ ساری کاروائی صحابہ کے سامنے ہوتی تھی اور کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف انکار منقول نہیں ہے (نیل الاوطار ۴/ ۱۲۷۷، مؤطا امام مالک ۲/ ۲۱۵)۔

حنفیہ قیافہ کو کہانت کی طرح مذموم وحرام نہیں مانتے اور نہ اس کو ذریعہ ثبوت کا درجہ دیتے ہیں، البتہ ان کا خیال ہے کہ شریعت میں نسب کا معیار صرف فراموش ہے اور قیافہ سے فراش کا ثبوت نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلاں شخص کے نطفہ سے یہ پیدا ہوا ہے، مگر نطفہ جائز طور پر استعمال ہوا ہے یا ناجائز طور پر اس کا ثبوت نہیں ملتا، نیز شوہر کی جانب

سے نسب کے انکار کی صورت میں شریعت نے لعان کا حکم دیا ہے، ''قیافہ نی نی کا کچھ بھی اعتبار نہیں کیا ہے (المبسوط ۱۷/ ۷۰)۔

بہر حال صرف نظر اس سے کہ حنفیہ کا موقف زیادہ مضبوط ہے یا جمہور فقہاء کا اس بحث سے فی الجملہ اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ فقہاء کرام کیا یک بڑی تعداد نسب ثابت کرنے کے بارے میں قیافہ کو مؤثر مانتی ہے، مگر ان حضرات نے اس کے لئے کچھ شرائط وحدود بھی مقرر کئے ہیں۔

۱— بصیرت وتجزیہ: شافیہ اور حنابلہ کے نزدیک بغیر تجربہ وبصیرت کے قیافہ شناس کا قول معتبر نہیں، پھر تجربہ وبصیرت کے لئے ان کے یہاں ایک معیار ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے (حاشیہ الجمل ۵/ ۴۳۵، المغنی ۵/ ۷۷۰)۔

۲— عدالت: فقہاء شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک عدالت بھی شرط ہے، اس لئے کہ اس پر حکم شرعی کی بنیاد ہے، فقہاء مالکیہ کے یہاں اس سلسلے میں دونوں طرح کی روایات ہیں (المغنی ۵/ ۷۶۹، منتہی الإرادات ۲/ ۴۸۹، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۵/ ۴۳۵، تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۰۸)۔

۳— تعدد: بعض فقہاء کے نزدیک قیافہ شناس کے لئے عدد شرط ہے جبکہ جمہور کی رائے بالکل اس کے برعکس ہے اور ان کی رائے ہی زیادہ مضبوط ہے (تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۰۸، المغنی ۵/ ۷۷۰، شرح منتہی الإرادات ۲/ ۴۸۸)۔

۴— اسلام: شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک قیافہ شناس کا مسلمان ہونا شرط ہے۔

۵— ذکورۃ وحرمت: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق ذکورۃ وحرمت شرط ہے (منتہی الإرادات ۲/ ۴۸۹، المبدع ۵/ ۳۱۰، مغنی المحتاج ۴/ ۸۸)۔

۶— موقع تہمت سے پاک ہونا: شافعیہ نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ قیافہ شناس کا قول اسی مقام پر معتبر ہوگا جو موقع تہمت سے پاک ہو مثلاً قیافہ کے ذریعے جس کے نسب کی

نفی کی جارہی ہے اس سے کسی قسم کی دشمنی نہ ہو، یا جس کے لئے نسب ثابت کیا جارہا ہو اس سے اصل یا فرع کا رشتہ نہ ہو (نہایۃ المحتاج ۸/ ۲۵۷)۔

۷— کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے بچے کے نسب کا انکار کرے تو اس کی گنجائش نہیں ہوگی اور اس پر لعان واجب ہوگا (زاد المعاد ۵/ ۴۲۲)۔

۸— قیافہ کا اعتبار صرف بچے میں ہوگا، جس کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہو اور کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو اختلاف کو ختم کرنے والی ہو مثلاً وطی بالشبہ کی بنا پر حمل ہوجائے اور اس سے پیدا ہونے والے بچے میں اختلاف ہو، اگر کسی مجہول النسب بچے کا صرف ایک مدعی ہو تو قیافہ کی ضرورت نہیں (المغنی ۵/ ۴۳۶)۔

۹— شافعیہ نے قضاء قاضی کی بھی قید لگائی ہے، قضاء قاضی یا اس کے دیئے ہوئے اختیار کے بغیر قیافہ کے ذریعے کہی ہوئی بات نافذ نہیں ہوگی (حاشیۃ الجمل ۵/ ۴۳۶)۔

۱۰— مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ زیر بحث یعنی وہ بچہ جس کا نسب معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ زندہ ہو مردہ بچے کے لئے قیافہ کا اعتبار نہیں (مواہب الجلیل ۵/ ۲۴۸)۔

۱۱— جس شخص کی طرف بچہ کو منسوب کرنا ہو اس کا زندہ ہونا بھی اکثر مالکیہ کے نزدیک شرط ہے، مردہ شخص کی طرف کسی بچہ کو قیافہ کی بنیاد پر منسوب کرنا درست نہیں (التاج والاکلیل للمواق بہامش مواہب الجلیل ۵/ ۲۴۸)۔

اختلاف کی صورت:

اگر قیافہ شناس ایک سے زائد ہوں اور ان کی رپورٹ میں اختلاف واقع ہوجائے، اس صورت میں اگر ان کے درمیان تطبیق دینا ممکن ہو تو کوئی بات نہیں، ورنہ تعداد یا قوت شباہت یا اور کسی بنیاد پر جو زیادہ قابل ترجیح ہوگا اس کو ترجیح حاصل ہوگی، اگر ترجیح بھی ممکن نہ ہو تو

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک معاملہ خود اس بچہ پر محمول کر دیا جائے گا جس کے نسب کے بارے میں تحقیق کی جارہی ہے اگر وہ بالغ ہو تو اسی وقت اور نابالغ ہو تو بالغ ہونے کے بعد جس کی طرف اس کا میلان ہوگا اس کی طرف منسوب کر دیا جائے گا (بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۲۸، مغنی المحتاج ۵/ ۷۷۰)۔

قرعہ:

بعض فقہاء کے نزدیک قرعہ سے بھی نسب ثابت ہوتا ہے، حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول، امام احمدؒ کی ایک روایت، بعض مالکیہ، ظاہریہ اور اسحاق بن راہویہؒ کی رائے یہی ہے، مگر اس صورت میں ہے جب نسب ثابت کرنے کے لئے پیش کئے جانے والے دو بینہ کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے تو قرعہ کے ذریعے کسی ایک کو ترجیح دی جاسکتی ہے (شرح الجلال المعلی علی المنہاج ۳/ ۱۳۰، الأم ۶/ ۲۴۴، المہذب ۱/ ۴۴۳، المغنی لابن قدامہ ۶/ ۳۴۷، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۱۰)۔

زیر بحث مسئلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے فقہاء کی صراحت بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حدود کے نفاذ کے لئے قرائن اور شباہت کافی نہیں ہیں خواہ وہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں، بلکہ اس کے لئے اقرار اور شہادت ضروری ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے۔

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے لعان کے قصے میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اللہم بین لی نی (اے اللہ حقیقت حال واضح فرمادے) اس کے بعد عورت کو ولادت ہوئی تو بچہ بالکل اس شخص کا ہم شکل تھا جس کی نسبت سے عورت پر الزام لگایا گیا تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان کاروائی فرمائی، حضرت ابن عباسؓ اپنی مجلس میں یہ روایت بیان کر رہے تھے، دوران گفتگو ایک شخص نے کہا: حضرت! اسی عورت کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر بینہ کے رجم کرتا تو اس

عورت کو ضرور کرتا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: نہیں، وہ عورت دوسری تھی جو اسلام میں بد زبانی کرتی تھی (صحیح البخاری مع الفتح ۹/ ۴۵۴ تا ۴۵۱ حدیث نمبر ۵۳)۔

نکاح سے قبل جنیٹک ٹسٹ:

آج بہت سے ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں میں نکاح سے قبل زوجین کے جنیٹک ٹسٹ کا رواج ہو رہا ہے، اور اس کا مقصد خوشگوار ازدواجی زندگی کے لئے پہلے سے مناسب تدبیر کرنا ہے، اس ٹسٹ کے ذریعہ بہت سی موروثی بیماریوں کا پتہ چلتا ہے، جو کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں، سائنس دانوں کے دعوی کے مطابق ۱۹۹۸ء تک تقریباً آٹھ ہزار موروثی بیماریوں کا اس کے ذریعے پتہ چلا ہے، اور یہ بیماریاں بہت سی اسی قسم کی ہیں جو عام زندلی میں اس وقت تک محسوس نہیں ہوتیں جب تک کہ خاندان کے کسی فرد میں ظاہر نہ ہو جائیں، اور تحقیق سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ بہت سی بیماریاں نسلوں تک ظاہر نہیں ہوتیں، یا خاندان کے ہر فرد میں ظاہر نہیں ہوتیں، لیکن جس جین کے باعث وہ بیماریاں جنم لیتی ہیں اگر اسی خاندان میں اس جین کے حامل شخص کی شادی کر دی جائے تو دونوں کے جین سے ان کی ذریت میں خطرناک امراض پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن اگر اس شخص کی شادی کسی دوسرے خاندان میں کی جائے جس میں وہ جین نہیں ہے تو دونوں کی پوری نسل عام حالات میں ان بیماریوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

انہی وجوہات کے پیش نظر بہت سے ملکوں کے محکمہ صحت نے بھی اس جانب خصوصی توجہ کی ہے، اور شادی سے قبل صحت کا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی زوجین کو ہدایت دی ہے، اس ٹسٹ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شادی بار آور ہوگی یا نہیں؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زوجین میں تولیدی جراثیم ہونے کے باوجود کسی جین کے نہ ہونے یا کسی جین کے اتصال کی بنا پر عورت بانجھ پن کا شکار ہو جاتی ہے، اسی طرح بہت سے متعدی اور جنسی امراض کا بھی پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اگلی نسل میں جو بچے پیدا ہوں گے وہ پیدائشی نقائص کے حامل

ہوں گے یا نہیں؟ اگر اس قسم کی تحقیقات ب آسانی ہوسکتی ہوں اور ازدواجی زندگی کے لئے ان کی بنا بر فائدے حاصل ہوتے ہوں تو شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، شریعت اسلامیہ نکاح سے قبل ممکنہ تحقیق وتفتیش سے نہیں روکتی بلکہ حتی الامکان اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

ایک موقع پر ایک صحابیؓ نے کسی انصاری لڑکی سے اپنی شادی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے انصاری لڑکیوں کی ایک خاص چیز کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا :"**فانظر إليها فإن في أعين الأنصار شيئاً**" (مشکاۃ شریف کتاب النکاح ۲۶۸/)۔

انصاری عورتوں کی آنکھ میں ایک خاص بات ہوتی ہے (جو ضروری نہیں ہر ایک کو پسند آئے) اس لئے ایک نظر لڑکی کو دیکھ لو)۔

ایک روایت جو اپنے الفاظ کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر اس کے معنی صحیح ہیں، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :"**تخيروا لفطفكم**" (بحوالہ الوراثۃ والہندسۃ الوراثیۃ والجینوم البشری، والعلاج الجینی الدکتور العلامۃ الزحیلی ۷۸۱/)۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی کو بھی اس پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے، جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مواقع سے بچنے کے لئے ہدایت فرمائی ہے، جن میں اولاد کمزور پیدا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"**لاتنكحوا القرابة القريبة فإن الولد يخلق ضاوياً**" (النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر لل إمام مجد الدین بن الأثیر مادۃ ۱۰۶/۳، بامش الأخیار ۴۲/۲، المغنی عن حمل الأسفار لزین الدین أبی الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی بہامش الأخیار ۴۲/۲)۔ (قریب ترین رشتہ داروں میں نکاح نہ کرو، اس لئے کہ اس سے اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے نی نی۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

''اغتربوا لاتضووا'' (الفائق فی غریب الحدیث للعلامۃ جار اللہ الزمخشری مادہ ضوی ۲/ ۳۵۰، النہایۃ فی غریب الحدیث واشہر مادہ ضوی ۲/ ۱۰۶)۔

(اجنبیوں میں نکاح کرو اپنی اولاد کو کمزور نہ بناؤ)۔

یہی مشورہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھی بنی سائب کو دیا تھا جب ان کی نسلوں کو کمزور دیکھا، جنیٹک سائنس نے آج اس روایت کو برحق ثابت کیا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ ارشاد جو ہدایت فرمائی ہے، اس کی واقعیت سامنے آ گئی ہے، ان روایات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نکاح سے قبل تحقیق حال کر لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اگر اس میں زوجین کو تھوڑی سی مضرت محسوس ہوتی ہو تو اس کو پوری نسل کے اجتماعی تحفظ کے لئے گوارا کر لینا چاہئے، الا یہ کہ اس کے اخراجات ناقابل برداشت ہوں۔

جینی اسٹیم سیل کے ذریعہ علاج ومعالجہ کا شرعی حکم:

جنیٹک تحقیقات کے نتیجے میں سائنسدانوں نے ایسے اسٹیم خلیات کو دریافت کرنے کا دعوی کیا ہے جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اپنے محدود دائرہ میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، ان کے ذریعے انسان کا کوئی بھی مکمل عضو بنایا جاسکتا ہے، اور پھر اس کو اس شخص یا کسی دوسرے مستحق شخص کے لئے بطور علاج استعمال کیا جاسکتا ہے، ان اسٹیم سیلز میں ترمیم واصلاح کا عمل بھی کیا جاسکتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان کے جسم میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں، اور اس قسم کی تبدیلی کبھی نقصان کو ختم کرنے اور علاج کی غرض سے کی جاتی ہے، اور کبھی تزئین کے مقصد سے، مثلاً کسی کے رنگ میں یا قدر کے طول وعرض میں تبدیلی کے لئے بھی جین میں ردوبدل کیا جاسکتا ہے، پھر علاج کی غرض سے جن اسٹیم خلیوں کو استعمال کیا جاتا ہے ان کے اندر مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کبھی ان کو

کسی مشین میں رکھا جاتا ہے، اور کبھی دوسرے حیوانی جسم میں ڈال کر مطلوبہ اعضاء کو تیار کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر جاننے کے لئے بنیادی طور پر ہمیں دو تین اصولی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

۱—علاج کے بارے میں شرعی ہدایات:

علاج کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جان کی حفاظت فرض ہے اور ان بنیادی پانچ ضروریات میں سے ایک ہے جن کی حفاظت ہر حال میں واجب ہے، اس لئے اگر علاج نہ ہونے کی صورت میں جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، یا طبی طور پر اس مرض کے وبائی صورت اختیار کر لینے کا خطرہ ہو اور کئی جانیں اس کی وجہ سے خطرہ میں پڑ سکتی ہوں، تو ہر ممکن علاج فرض ہے، شافعیہ اور بعض حنابلہ نے علاج کو بلا قید واجب کہا ہے، اور بعض حنابلہ نے نفع کے غالب گمان (جو یقین درجہ میں ہو) ہونے کی قید لگائی ہے (فتاوی بن تیمیہ ۲۴/۲۶۹، ۲۱/۵۶۴ مطبوعۃ الریاض، إحیاء علوم الدین ۴/۲۷۲، مطبوعہ عیسی البابی الحلبی آداب الشرعیۃ لابن مفلح ۳/۳۶۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اگر علاج سے مرض کے ختم ہونے کا یقین ہو، اور اس کا انتظام بھی ممکن ہو تو علاج فرض ہے، اور علاج نہ کرانا حرام ہے، ممکنہ علاج نہ کرانا ہرگز توکل قرار نہیں پائے گا، جس طرح کہ بھوک اور پیاس کے وقت کھانا اور پینا فرض ہے اور نہ کھانا اور نہ پینا حرام ہے، یہی حکم یقینی شفا کی صورت میں علاج کا ہے، البتہ اگر شفا کا یقین نہ ہو بلکہ گمان ہو تو علاج مستحب ہے، اور اگر گمان غالب بھی نہ ہو تو علاج صرف مباح ہے، جمہور فقہاء کی بھی رائے یہی ہے (الفواکہ الدوانی ۲/۴۴۲، الجامع الأحکام القرآن القرطبی، ۱۰/۱۹۹، فتاوی ہندیۃ ۵/۳۵۵)۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بنیاد شریعت کا یہ اصول ہے، جس سے تمام فقہاء اور علماء نے اتفاق کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص بھی ہے، ''لاضرر ولاضرار فی فی (مؤطا امام مالک کتاب الأقضیۃ/۴۴۶، مسند احمد ۱/۳۱۳، ۵/۳۲۷، ابن ماجہ ۲/۷۸۴)۔

(اسلام میں نہ خود ضرر اٹھانے کی اجازت ہے اور نہ دوسرے کو ضرر پہنچانے کی)۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا اور علاج کی تاکید فرمائی ہے، اور اس کے لئے واضح ہدایات بھی ارشاد فرمائی ہے، ارشاد نبوی ہے:

"تداووا فإن اللہ تعالیٰ لم یضع داء إلا وضع له دواء غیر داء واحد الھرم" (ابو داؤد مع عون المعبود ۱۰/ ۳۳۴، ترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۶/ ۱۹۰ حسن صحیح)۔

(علاج کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں رکھی جس کے لئے دوا نہ بنائی ہو، سوائے ایک بیماری کے اور وہ ہے بڑھاپا)۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن اللہ أنزل الداء والدواء وجعل کل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام" (ابوداؤد مع عون المعبود ۱۰/ ۳۵۱)۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور علاج دونوں کو ہم رشتہ بنایا ہے اور ہر بیماری کی دوا رکھی ہے، پس علاج کرو، مگر حرام ذریعہ سے نہیں غرض علاج ایک سبب ہے جو اللہ کی مرضی سے انسان کے لئے باعث شفا بنتا ہے، البتہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر انسان ایسی حالت میں پہنچ جائے جب اسے شفاء کی کوئی امید نہ ہو اور بیماری مہلک ہو، اور روز بروز ترقی پذیر ہو تو ایسی صورت میں علاج نہ کرانے کی گنجائش ہے (احیاء علوم الدین ۴/ ۱۷۹)۔

غیر فطری طریقہ علاج کی اجازت نہیں:

دوسری اہم ترین بات جس کو یہاں سامنے رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام نے علاج کی اجازت دی ہے، اور حالات کے لحاظ سے اس کے لئے مدارج بھی مقرر کئے ہیں، مگر ایسے طریقہ علاج کی بالکل اجازت نہیں دی ہے جو خلاف فطرت ہو، جس سے خلقی تبدیلی واقع ہو،

مثلاً جنس تبدیل ہوجائے، یا مقررہ طول وعرض متاثر ہو، شکل وصورت اور رنگ روپ بدل جائے، یا اور کوئی ایسی تبید لی جو اس شخص کے جسمانی ڈھانچہ کے خلاف ہو، البتہ ایسی تبدیلی کی گنجائش ہیط جو اس کے صحت مندر ہنے کے لئے ضروری ہو جس سے اس کی جان کی سلامتی یا عضو کی سلامتی کا معاملہ جڑا ہوا ہو، یا کسی عضو کو اپنی اصلی حالت پر لانے کے لئے تبدیلی یک جائے، کسی عیب یا زخم کی اصلاح مقصود ہو، وغیرہ، ایسی چند صورتوں کے علاوہ بقیہ وہ تمام صورتیں جن میں خلقی تبدیلی ہوتی ہو ناجائز ہے، جدید وقدیم تمام علماء وفقہاء غیر فطری تبدیلیوں کے جائز نہ ہونے پر متفق ہیں۔

علاج کے لئے مریض ای اس کے اولیاء کی اجازت ضروی ہے:

اسی طرح جنیٹک علاج میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جس پر تقریباً تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے کہ کوئی بھی عمل مریض کی اجازت کے بغیر نہ ہو، اور اگر وہ اس لائق نہ ہو تو اس کے اولیاء سے ضرور اس عمل کی اجازت حاصل کی جائے، ورنہ ڈاکٹر گنہگار ہولا، خواہ وہ کتنا ہی مخلص اور ماہر فن کیوں نہ ہو، اور اگر اس علاج سے مریض کو کوئی نقصان پہنچے تو اس کا ضمان بھی اس پر ہوگا، مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے (دیکھئے روضۃ الطالبین ۹/ ۱۸، الفتاوی الہندیۃ ۴/ ۴۰۷، جواہر ال إکلیل ۲/ ۲۹۶، الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۳۵۵، ال إنصاف ۶/ ۷۵، منار السبیل ۱/ ۴۲۲)۔

مقاصد، وسائل اور نتائج کا اعتبار:

اسی طرح اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شریعت نے کن مقاصد کا اعتبار کیا ہے اور ان کے لئے وسائل کا کیا معیار مقرر کیا ہے اور شریعت ان سے حاصل ہونے والے نتائج کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔

شریعت کے تمام احکام میں مصالح ومقاصد کی رعایت کی گئی ہے، خواہ ان کا تعلق

ضرورت سے ہو یا حاجت سے یا تحسین سے، اسی طرح شریعت میں مصالح ومفاسد کے موازنہ پر بھی کافی زور دیا گیا ہے، جس کا لحاظ رکھنا ازحد ضروری ہے، وسائل کے بارے میں شریعت کا موقف یہ ہے کہ جائز وسائل ہی سے جائز مقاصد کی تحصیل ہوسکتی ہے، ناجائز وسیلہ ناجائز ہے، خواہ اس کے مقاصد کتنے ہی اچھے ہوں، ناجائز تک پہنچانے والا ذریعہ بھی ناجائز ہے، جس کو فقہاء سد الذرائع کہتے ہیں، البتہ علاج کی ضرورت یا اور کوئی مشقت سے بچنے کے لئے ناجائز وسیلہ کی گنجائش ہے (الموافقات للشاطبی ۴/۵۵۶)۔

جنیٹک علاج کے کچھ ضابطے :

مذکورہ بالا مباحث سے جنیٹک علاج کے کچھ حدود وضوابط سامنے آتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا بہرحال ضروری ہے، وہ ضابطے مندرجہ ذیل ہیں :

۱— تحقیقات اور معالجہ میں ہر طرح کی علمی اور فنی احتیاط برتی گئی ہو اور کسی قسم کی کوتاہی اور لاپرواہی نہ برتی گئی ہو۔

۲— مصلحت کا حصول اور نقصان کا خاتمہ سامنے ہو۔

۳— مطلوب فائدہ کے حاصل ہونے کا گمان غالب ہو۔

۴— علاج کے نتائج قابل اطمینان ہوں، ان سے کسی بڑے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

۵— علاج کا عمل نیک مقاصد کے لئے کیا گیا ہو، بلاوجہ یا محض اپنے علم کے اظہار کے لئے ایسا نہ کیا گیا ہو۔

۶— اس سے تغییر خلق اللہ نہ لازم آتی ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ڈھانچہ میں تبدیلی نہ ہو رہی ہو۔

۷— علاج میں جائز وسائل استعمال کئے گئے ہوں۔

۸—علاج کے اخراجات حداعتدال میں ہو۔

۹—علاج کے عمل سے سوسائٹی کو ضرر نہ پہنچے۔

۱۰—انسان پر کوئی بھی جنیٹک عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ جانور پر اس کی کامیابی کا پوری طرح تجربہ نہ کرلیا گیا ہو۔

۱۱—اس عمل سے جڑے ہوئے لوگ تجربہ کار، ماہر، مخلص اور اس فن کے اسپشلسٹ ہوں۔

ان ضوابط کی روشنی میں اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات ذیل میں دیئے جارہے ہیں:

۱—جینی اسٹیم سیل کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ وہ مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اپنے محدود دائرے میں آکسیجن بھی حاصل کرتا ہے، مگر شرعی اور اصطلاحی طور پر اسے ذی روح اور زندہ وجود کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا، اور اس کے ضائع کرنے پر شرعی ضمان واجب نہ ہوگا یہ الگ بات ہے کہ بلاضرورت اس کا ضائع کرنا درست نہیں اور اس پر گنہگار ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کا نقطہ نظر یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ چالیس یوم سے قبل اور حنفیہ کے نزدیک ۱۲۰ سے قبل کسی عذر کی بنا پر اسقاط حمل کی اجازت ہے، اس مدت میں حمل ضائع کردینے برغرہ یا تاوان واجب نہیں ہوگا، اگر اس کو اصطلاحی طور پر زندہ وجود مان لیا گیا ہوتا تو اس کے قتل وضیاع کی اجازت نہ دی جاتی۔

۲— رحم مادر میں پرورش پانے والے یا اسقاط شدہ جنین سے اسٹیم سیل لیکر خود اس انسان کے علاج کے لئے محفوظ کیا جاسکتا ہے، یا پھر اس کی اجازت سے (اہلیت اجازت کی صورت میں) کسی دوسرے شخص کو بھی بوقت ضرورت دیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس دوسرے شخص کا جسم اس عضو کو قبول کرسکے، اور اس کے لئے نقصان کا سبب نہ ہو، نیز اس شخص کی اپنی

ضرورت سے زائد ہو، اور اس کے بدلے کوئی قیمت وصول نہ کی گئی ہو، اور ان حدود میں رہ کر کی گئی ہو جن کا ضوابط کے ذیل میں اوپر ذکر کیا گیا۔

۳— انسان کا اسٹیم سیل کسی حیوان کے جسم میں ڈال کر مطلوبہ عضو تیار کرنا درست ہے، بشرطیکہ حیوان حلال ہو، اور ماہر ڈاکٹروں نے اس کی ضرورت تجویز کی ہو۔

۴— اسٹیم سیل کے حاصل کرنے کا اہم ذریعہ نافہ آنول بھی ہے، اگر اس نال کے خون سے سیلس لئے جائیں اور ان کو مستقبل کے لئے محفوظ کر دیا جائے تو کسی نازک موقع پر وہ اس کے کام آسکتا ہے، عام طور پر یہ نال جب کاٹی جاتی ہے تو اس میں موجود خون کو نومولود کے جسم میں پہنچا دیا جاتا ہے اور نال باندھ دی جاتی ہے، اگر سیلس حاصل کرنا ہو تو نال کے حصے میں جو خون ہے اسے باہر نکال لیا جائے گا، اس خون کے لینے کی وجہ سے کسی مرض یا خطرہ کا امکان ایک فیصد سے بھی کم ہے، یہ صورت درست معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ تمام تر کاروائی بچہ کے فائدہ کے لئے کی گئی ہو۔

۵— جینی اسٹیم سیل یوں تو بالغوں سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کی نشوونما میں دشواریاں ہیں، اس پس منظر میں ٹسٹ ٹیوب کے ذریعے حمل کے استقرار اور اس کی ابتدائی نشو ونما کے جدید طریقے کو اختیار کرنے کی صورت میں اگر میاں بیوی کی اجازت سے سیلس حاصل کر لئے جائیں اور ان کو انسانی عضو تیار کرنے میں استعمال کیا جائے تو ایسا کرنا بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ یہ اطمینان کر لیا گیا ہو کہ سیلس میاں بیوی ہی کے حمل سے لیا گیا ہے، کسی اجنبی کے نطفہ سے نہیں، اگر اس اطمینان کی صورت نہ ہو تو یہ طریقہ کار اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے نسل اور نسب کے نظام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔

☆☆☆

تجاویز کی وضاحت

ڈی این اے ٹسٹ:

(DNA) ٹسٹ کے سلسلے میں سمینار نے حسب ذیل فیصلے کئے ہیں:

۱۔جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں۔

وضاحت:

ثبوت نسب شریعت اسلامیہ کے اہم قضیوں میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کا دارومدار نسب کے ثابت ہونے پر ہے، میراث، محارم، نکاح اور کفائت وغیرہ کے ابواب میں بے شمار مسائل ایسے آتے ہیں جن کا براہ راست ثبوت نسب کے مسئلے سے تعلق نظر آتا ہے، اسی لئے ''الدین یسر نی نی کے پیش نظر شریعت نے ثبوت نسب جیسے بے انتہا اہم مسئلہ کا دارومدار غلبہ ظن پر رکھا ہے، کم از کم فقہاء حنفیہ نے اس اہم نکتہ کا ادراک کیا ہے اور لاتعداد مسائل میں یہی اصول سامنے رکھ کر فیصلہ کیا ہے، اگرچہ امام شافعیؒ کا اس سلسلہ میں اختلاف منقول ہے، چنانچہ ''قواعد الفقہ نی نی میں تحریر ہے:

''**الأصل عندنا أن العبرة فی ثبوت النسب بصحة الفراش، وكون الزوج من أهله لا بالتمكن من الوطی حقيقة، وعند الشافعی العبرة فی النسب للتمكن من الوطی حقيقة**'' (قواعد الفقہ از مفتی عمیم الاحسان مجددی ر ۴۴)۔

(ہمارے نزدیک نسب کے ثابت ہونے میں فراش کے صحیح ہونے کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ وطی پر قادر ہونے کا جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وطی پر قادر ہونے کا اعتبار ہوتا ہے)۔

فقہاء حنفیہ نے اس اصول کو مشہور حدیث سے لیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"**الولد للفراش وللعاهر الحجر**" (صحیح مسلم ۲/۱۰۸، حدیث: ۱۴۵۷، جامع ترمذی ۲/۴۳۳، حدیث: ۲۱۲)۔

(لڑکا صاحب فراش کا ہوگا اور زانی کو سنگسار کر دیا جائے گا)۔

امام شافعیؒ ثبوت نسب کے لئے اگر حقیقۃ قدرت علی الوطی (محبت کرنے پر قادر ہو) کی قید لگاتے ہیں مگر وہ بھی کہیں نہ کہیں غلبہ ظن کا ہی سہارا لیتے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ فراش کے ثابت ہونے سے ثبوت نسب کا اعتبار کرلیا جاتا ہے، گویا کہ فقہاء فراش (جو زوجین کے درمیان پائے جانے والے خاص تعلق کی ترجمانی کرتا ہے) کو ثبوت نسب کی دلیل مانتے ہیں، اور فراش ثابت ہوتا ہے نکاح سے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اگر کسی مرد کے نکاح میں ہو یا عدت میں ہو یا نکاح فاسد کے بعد مرد وعورت کے درمیان تعلق قائم ہو چکا ہو اور زیادہ سے زیادہ مدت حمل کے اندر بچہ پیدا ہوا ہو تو بچہ کا نسب اسی مرد سے ثابت ہوگا۔ ایسی صورت میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعے معاملہ کو گنجلک کرنے کی کوشش ناجائز سمجھی جائے گی۔

۲—اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعویدار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

وضاحت :

مذکورہ صورت جس میں کئی دعویدار ہیں جیسے لقیط نی نی (جو راستہ میں مل جائے اور

اس کے باپ کا صحیح یقینی طور پر علم نہ ہو) جس کے بارے میں ایک سے زیادہ مرد یا عورتیں دعویدار ہوں، یا میٹرنیٹی اسپتال میں نومولود بچے خلط ملط ہوجائیں اور ماں کی شناخت باقی نہ رہے، تو ان صورتوں میں ڈی این اے ٹسٹ سے استفادہ کیا جائے گا، جمہور فقہاء کے نزدیک قیافہ کے ذریعہ نسب ثابت ہوسکتا ہے، تو ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعے بدرجہ اولیٰ نسب ثابت ہوگا، کیونکہ ڈی این اے ٹسٹ سائنسی تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی ہے اور قیافہ محض ظن پر۔

لیکن غور کیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک بھی مجہول النسب بچوں کے ماں باپ کی نسبت متعین کرنے کے لئے ڈی این اے ٹسٹ کافی ہونا چاہئے، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی اثبات دعوی کے وسائل میں سے ایک قرائن قاطعہ (یقینی) ہے، اور اس کا ثبوت کتاب وسنت اور آثار وصحابہ سے ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو خون آلود قمیص لا کر دی تھی، اسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی قرینہ سے پہچانا کہ قمیص خون آلود تو تھی، لیکن پھٹی ہوئی نہیں تھی، اور بھیڑیا کا اس طرح کسی کو پھاڑ کھانا کہ اس کے کپڑے نہ پھٹے ہوں ناقابل تصور ہے (دیکھئے: الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۲/ ۱۷۳)۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام پر امرأۃ عزیز (عزیز کی بیوی) کی تہمت کے سلسلہ میں شیر خوارہ بچہ کا فیصلہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ اگر ان کا دامن آگے سے چاک ہو تو عزیز مصر کی بیوی سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہو تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دعوی پاکدامنی صحیح ہے (سورہ یوسف: ۲۶، ۲۷)۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اجازت کے معاملہ میں کنواری لڑکی کی خاموشی کو اس کی اجازت قرار دیا، ظاہر ہے یہ قرینہ ہی کی بنیاد پر فیصلہ ہے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے شراب کی

قے اور شراب کی بو کی بنیاد پر شراب کی حد لگانے کا فیصلہ فرمایا اور اس پر امام مالکؒ کا عمل بھی ہے۔

اسی طرح ایک بے شوہر عورت حاملہ ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس پر زنا کی سزا جاری فرمائی، چنانچہ مالکیہ وحنابلہ بھی اس کو حد جاری کرنے کے لئے کافی قرار دیتے ہیں (دیکھئے: تبصرۃ الحکام لابن فرحون ۳/۹۷)۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام فیصلے قرائن ہی کی بنیاد پر ہیں، علامہ ابن فرحون مالکیؒ نے تبصرۃ الحکام میں اور علامہ ابن قیم نے الطرق الحکمیۃ میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اس لئے اسی بارے میں تو اختلاف ہوسکتا ہے کہ کن احکام میں قرائن قاطعہ کا اعتبار ہوگا اور کن میں نہیں، اور کن کو قرائن کو قاطعہ سمجھا جائے گا اور کن کو ضعیف؟ لیکن فی نفسہ قرائن کے معتبر ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، پس جب اقرار اور بینہ موجود نہ ہو تو ایسا بچہ جس کی نسبت مجہول ہے یا مشتبہ ہے اس کے سلسلے میں ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار کیا جائے گا۔

۳— جو جرائم موجب حدود وقصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تشریح:

وہ جرائم جن پر حدود وقصاص لازم آتے ہیں، ان کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کو بنیاد بنا کر قصاص یا حد کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ ڈی این اے ٹسٹ صرف اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ملزم شخص مقام واردات پر تھا، شریک جرم تھا اس کا ثبوت فراہم نہیں کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کی مقام واردات پر موجودگی اس کے مجرم ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، گویا ڈی این اے ٹسٹ کے بعد بھی معاملہ مشکوک ہی رہتا ہے یقین کی شکل اختیار

نہیں کرتا، ایسی صورتحال کے بارے میں شریعت کا اصول ہے کہ حدود شبہات کی بنا پر ساقط ہوجاتے ہیں (رواہ ابن عدی فی الکامل عن ابن عباس، الجامع الصغیر للسیوطی ۱/ ۱۴)۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے :

"**إدرؤا الحدود بالشبهات**" (تلخیص الحبیر ۴/ ۵۶ ۷)۔

(حدود کو شبہات کی بنا پر ختم کرو)۔

اسی طرح ایک حدیث ہے :"**إدرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإن وجدتم للمسلم مخرجا فخلوا سبيله، فإن الإمام يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة**" (رواہ ابن أبی شیبۃ والترمذی والحاکم والبیہقی عن عائشۃؓ وہو صحیح)، (الجامع الصغیر للسیوطی ۱/ ۱۴)۔

(مسلمانوں سے حدود کو حتی الامکان دفع کرو، اگر مسلمان کے لئے کوئی گنجائش نکلتی ہو تو ضرور نکالو، اس لئے کہ امام کا غلطی سے معاف کردینا بہتر ہے اس بات سے کہ غلطی سے سزا دے)۔

اسی لئے فقہاء کے یہاں یہ ایک متفق علیہ اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ شبہات کی بنا پر حدود ساقط ہوجاتے ہیں۔

"**الحدود تندرأ بالشبهات**" (شبہات کی بنا بر حدود ساقط ہوجاتے ہیں) اور خاص کر زنا کے معاملے میں چار گواہوں کی شہادت کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ بغیر مطلوبہ شہادت کے حد زنا جاری نہیں کی جاسکتی، اسی طرح عویمر عجلانی والا واقعہ مشہور ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملزم شخص کی شہادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا: کہ الرمولود فلاں شکل کا ہو تو مرد اپنے دعوی میں سچا ہوگا، اتفاق ہے وہ اسی صورت پر پیدا ہوا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بغیر بینہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا جاری نہیں فرمائی (بخاری مع الفتح ۹/ ۴۵۲، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت راجما بغیر بینۃ)۔

اسی لئے محض ڈی این اے ٹسٹ کی بنیاد پر زنا کی سزا یا قصاص نافذ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حدود قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کرسکتا ہے۔

تشریح :

دوسرے دو جرائم جن کا ارتکاب کرنے والوں پر حدود و قصاص جاری نہیں کئے جاتے ہیں، ان میں ڈی این اے ٹسٹ کی بنیاد پر قاضی اپنی صوابدید سے تعزیر کرسکتا ہے کیونکہ تعزیر کے لئے شک وشبہ سے خالی بینہ کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ڈی این اے ٹسٹ سے چونکہ جرم کی تحقیق اور مجرم کے تعاقب میں مدد مل سکتی ہے، اور بعض اوقات نفسیاتی اثر ڈال کر حقیقی مجرم سے اقرار کرایا جاسکتا ہے، اور قاضی کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی واقعہ کی تہہ تک پہنچنے کی حتی المقدور کوشش کرے، اسی لئے وہ ضرورت محسوس کرے تو ملزمین کو ڈی این اے ٹسٹ پر مجبور کرسکتا ہے۔

اور ایسا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ڈی این اے ٹسٹ شہادت کے درجے میں ہے کیونکہ شہادت مقصد یقینیات تک پہنچنا ہے اور اس ٹسٹ کا مقصد بھی وہی ہے، اور ابن قدامہؒ کی ایک تحریر سے شہادت کے فرض عین ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے جبکہ اس شہادت کے علاوہ کوئی اور ذریعہ تعیین نہ ہو" **وقد يكون تحملها وأداؤها أو أحدهما فرضاً عينياً إذا لم يكن هناك غير ذلك العدد من الشهود الذي يحصل به الحكم**" (المغنی مع شرحہ ۱۲/ ۳-۴)۔

(اور تحمل شہادات اور ادائے شہادت یا ان میں سے کوئی ایک فرض عین بھی ہوجاتا ہے جبکہ وہاں شہادت کے علاوہ اور کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہو جس کی بنا پر اس مسئلہ پر حکم لگایا

جاسکے)۔

لہٰذا بعض وہ ملزمین جو اسی ٹسٹ کے لئے آمادہ نہ ہوں ایسے موقع برقاضی انہیں ٹسٹ پر مجبور کرسکتا ہے۔

جنیٹک سائنس کی تجاویز :

۱— اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعے ثابت ہوجائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے جو ناقابل علاج ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے گی، تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گزرنے سے پہلے پہلے والدیہ کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

تشریح:

اس ٹسٹ کا مقصد چونکہ مرض کو دریافت کرنا اور مولود اور اس کے والدین کو تکلیف اور مضرت سے بچانا ہے، اس لئے اس ٹسٹ کے جائز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اور فقہاء نے نفخ روح سے پہلے عذر کی بنا پر اسقاط حمل کی اجازت دی ہے۔

"**یکرہ أن تسقی لإسقاط حملها و جاز لعذر حیث لایتصور**" (درمختار مع الرحد ۲۰۵/۵)۔

(یہ بات مکروہ ہے کہ عورت اپنا حمل ساقط کرنے کے لئے کوئی چیز پیئے، البتہ عذر کی وجہ سے جائز ہے جب تک کہ شکل وصورت نہ بنی ہو)۔

بہتر ہے کہ چار ماہ سے قبل حمل ساقط کرالے، پہلے زمانے میں بچہ کا شکم مادر میں ناقص العقل یا ناقص الاعضاء ہونے کو جاننے کا کوئی آلہ نہیں تھا، اس لئے فقہاء نے اعذار کی فہرست میں اس کو شمار نہیں کیا، آج جبکہ اس کو یقینی طور پر معلوم کیا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں

کہ اس کو عذر نہ مانا جائے ،لہٰذا جس طرح دیگر اعذار کی بنیاد پر چار ماہ سے قبل اسقاط کی اجازت دی گئی یہاں بھی ہونا چاہئے، یہ تو چار ماہ سے پہلے اسقاط کا مسئلہ تھا، چار ماہ کے بعد اسقاط کی حرمت پر تقریباً سبھی متفق ہیں، چنانچہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

"وقالوا :ویباح بإسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج وقال ابن عابدين (قوله لكن في خانية) عبارتها على ما في البحر وذكر في الكتاب أنه لا يباح بغير إذنها وقالوا في زماننا يباح لسوء الزمان" (دیکھئے احسن الفتاوی ۸/۳۵۱)۔

چار ماہ سے قبل اسقاط جائز ہے گرچہ اس کے لئے بیوی کی اجازت نہ لی گئی ہو، مگر دوسری جگہ ہے کہ بغیر بیوی کی اجازت کے اسقاط درست نہیں ہے لیکن فقہاء موجودہ زمانے کی صورتحال کے پیش نظر بغیر بیوی کی اجازت کے بھی اسقاط کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۲ــ اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں، تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلہ تولید کو روکنا قطعاً ناجائز ہے۔

تشریح :

نکاح کا اصل مقصد نسل انسانی کی افزائش ہے، ساتھ ساتھ عفت وعصمت بھی ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

"تناكحوا تناسلوا" (نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ)۔

اور ایک جگہ نکاح کے فوائد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج" (نکاح کے ذریعے شرمگاہ اور نگاہ دونوں کی حفاظت ہے)۔

اور امام غزالیؒ نکاح کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہیں:

''الفائدة الأولى الولد هو الأصل وله وضع النكاح والمقصود إبقاء النسل وأن لا يخلص العالم عن جنس الإنس'' (إحیاء علوم الدین ۲/ ۲۲۵)۔

(نکاح کا اول فائدہ بچہ ہے وہی نکاح کا اولین مقصد ہے اور اسی کی وجہ سے نکاح مشروع ہوا تا کہ نسل انسانی باقی رہے اور دنیا نوع انسانی سے خالی نہ ہوجائے)۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی نے بھی لکھا ہے کہ نکاح کا اولین مقصد توالد وتناسل ہے اور آخری مقصد عفت وعصمت ہے۔

''إن الشارع قصد بالنكاح مثلاً التناسل أو لا ثم يتبعه التعفف مما حرم الله أو نحو ذلك'' (الموافقات ۲/ ۲۴۱)۔

(شارع کے نزدیک کاح سے جو مقصود ہے وہ ہے افزائش نسل پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے پاکدامنی واحتراز)۔

ان مذکورہ سطور سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نکاح سے شریعت کا مقصد توالد وتناسل ہے، تو اب ایسی صورت میں ہر وہ طریقہ جس سے مرد وعورت کی جنسی صلاحیت ختم ہوجائے اور توالد وتناسل کا سلسلہ رک جائے ناجائز ہے۔

۳- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعے کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ آئندہ جنون یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوسکتا ہے جو شرعاً فسخ نکاح کا سبب ہے تو فسخ نکاح کے لئے محض یہ ٹسٹ کافی نہیں ہوگا۔

تشریح:

جنون یا اس طرح کے کسی مرض کے سلسلے میں اسی ٹسٹ رپورٹ پر فسخ نکاح کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ فسخ کے لئے عملی زندگی میں اپنے شوہر کو خطرناک حد تک مجنون ثابت